قرآنی طرز زندگی کے تحت معاشرے کی اصلاح کے طریقے

سیدہ ارم زہرا رضوی[1]

خلاصہ :

خداوند کریم نے پیغمبر اکرم ﷺ کو دو عظیم چیزیں قرآن و اہلبیت علیہم السلام کی صورت میں عطا فرمائیں جن کی اطاعت کو رسول خدا ﷺ نے لازم قرار دیا۔ اور ان دونوں سے "ملے رہنے" کو ہماری نجات کا ضامن قرار دیا۔ دنیا میں کوئی بھی دین یا مکتبِ فکر اس وقت موضوعِ بحث بنتا ہے اور کھل کر منظرِ عام پر آتا ہے جب اس کی آغوشِ تربیّت میں پرورش پانے والے افراد اپنے مخصوص افکار و عقائد کی روشنی یہاں ایک مخصوص نظریاتی معاشرہ تشکیل دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج دنیا میں جتنے بھی ادیان و مذاہب اور مکاتب موجود ہیں وہ اپنی اپنی توانائی اور صلاحیّت کے مطابق معاشرہ سازی میں مشغول ہیں۔ لہذا آج ایک مخصوص اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے سامنے "اسلامی عقائد و افکار" کو خالص اور بہترین انداز میں اس طرح پیش کیا جائے کہ لوگ خود بخود ان کی طرف کھچے چلے آئیں اور مل کر ایک قرآنی (اسلامی) معاشرہ تشکیل دیں۔ پس میں نے اپنی اس تحقیق میں یہی کاوش کی ہے کہ قرآن کی نظر میں معاشرہ کے ان اصلاحی طریقوں کو بیان کروں کہ جس کی مدد سے وہ قرآنی معاشرہ تشکیل دیا جا سکے جس کے ذریعے ہم مھدی معودؑ کے ظھور کے لیے زمینہ سازی کر سکیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں بہت زیادہ فساد ہے۔ لوگ اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور بعض تو اصلاح کے نعرے لگاتے ہوئے اٹھتے ہیں اور خود فساد برپا کر دیتے ہیں۔ ایسے میں یہ موضوع انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ ان طریقوں کو جانیں جن کے ذریعے معاشرے میں اصلاح کی جاتی ہے۔

اہم الفاظ: قرآن، اصلاح، معاشرہ، زندگی، طریقہ

---

[1]

مقدمہ:

قرآن مجید معارف کا سب سے بڑا خزانہ، افضل ترین کلام اور معاشرہ کی کج رویوں اور انحرافات کی اصلاح میں عمیق ترین بیان ہے۔ کمال اور جامعیت قرآن کریم اس کی ایسی منحصر بہ فرد خصوصیت ہے جو جوامع بشری کی تمام ضرورتوں اور نیاز مندیوں کے لیے جواب گو ہونے کی مکمل قدرت وصلاحیت رکھتی ہے اور دنیا وآخرت کی سعادت وخوش بختی اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ در حقیقت تاریخ بشر کے تمام اعصار وادوار میں دین مبین اسلام کی وسعت وجامعیت قرآن کریم سے ماخوذ ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ[1]

کوئی دانہ اور خشک وتر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

قرآن کریم معاشرے کے مختلف فردی، اجتماعی، اور معاشرتی موضوعات سے لے کر فرد اور معاشرہ کی متقابل تاثیرات، اجتماعی دگرگونیوں، آئیڈئل معاشرہ، اجتماعی گروپ بندیوں، اجتماعی اہمیتوں، معاشروں کی قوانین مندیوں، معاشرے کی شکوفائی میں مؤثر عوامل، اجتماعی طبقات، فردی اور اجتماعی ضرورتوں، الٰہی جہان بینی کے اعتبار سے مسلم معاشرہ کا مستقبل، اجتماعی تہذیب کی سلامتی، عمومی لغزشوں، معاشروں کی مدیریت کی نئی تدابیر، جوامع انسانی کے بنیادی تفاوت اور اشتراکات، معاشرے کے انحرافات کی شناخت... کا قرآن بہترین جواب گو ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ[2]

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والی۔

اس بناپر تمام موارد خصوصاً معاشرہ کی اصلاح سے متعلق، بہترین اور کامل ترین نظریات اور طریقے قرآن سے اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

---

[1] ۔انعام: ۵۹

[2] سورہ انعام، آیت: ۵۹

[3] سورہ نحل، آیت: ۸۹

فصل اول: مفاہیم شناسی

بحث اول: قرآن مجید کا مختصر تعارف:-

قرآن مجید ہی وہ واحد کتاب ربانی ہے، جو کسی خاص طبقہ اور گوشہ یا کسی خاص قوم و نسل کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام بنی نوع انسان کے رشد و ہدایت کی ضامن ہے۔

هُدًى لِلنَّاسِ[1]

جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔

یہی وہ مکمل دستور حیات ہے، جس کی ابدیت و آفاقیت کو کبھی زوال نہیں، انسانی کارواں اس راہ کے علاوہ اگر دوسری راہ پر رواں دواں ہوتا ہے، تو اس کا صراط مستقیم سے بھٹک جانا اور اس کی ہلاکت و بربادی پر الٰہی مہر کا ثابت ہونا یقینی ہے۔ قرآن کریم لاثانی کتاب ہے۔ اس نے امن وامان سے لے کر اخلاقیات تک سب کچھ عطا کیا، اس کی وجہ سے قوموں کے مزاج بدل گئے، انسانی اخلاق کی کایا پلٹ گئی، عرب کے تندخو، حلم واخلاق اور علم و حکمت کے استاذ بن گئے اس کی عظمت کا اندازہ لگانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے اس لیے اس کی عظمت کو خود قرآن کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عظمت قرآن، قرآن کی نظر میں:

قرآن کریم کا تعارف جتنا عمدہ خود قرآن سے ہو سکتا ہے اور اس کی عظمت شناسی خود اس کے ذریعے جتنے بہتر طریقے سے ہو سکتی ہے کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو سکتی کیوں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ چنانچہ سورۂ یوسف میں قرآن اپنا تعارف یوں پیش کرتا ہے۔

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ[2]

---

[1] سورہ بقرہ، آیت ۱۸۵

[2] سورہ یوسف، آیت: ۱۱۱

یہ (قرآن) گھڑی ہوئی باتیں نہیں بلکہ اس سے پہلے آئے ہوئے کلام کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل (بتانے والا) ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

بحث دوم: معاشرے کا مفہوم

معاشرے کو عربی زبان میں جامعہ کہا جاتا ہے۔

معاشرہ کا لغوی معنی

باہم مل جل کر رہنا، انسانی ماحول، جماعتی زندگی جس میں ہر فرد کو رہنے سہنے اور اپنی ترقی و بہبود کے لیے دوسروں سے واسطہ پڑتا ہے، سماج اور معاشرہ کہلاتا ہے۔[1]

معاشرے کا اصطلاحی معنی

انسانوں پر مشتمل وہ جماعت جو خاص قوانین، خاص آداب و رسوم اور خاص نظام کی حامل ہو اور انہی خصوصیات کے باعث ایک دوسرے سے منسلک اور ایک ساتھ زندگی گزارتی ہو معاشرہ کہلاتی ہے دوسرے لفظوں میں معاشرہ انسانوں کے اس مجموعے کا نام ہے جو ضرورتوں کے جبری سلسلے میں اور عقائد، نظریات اور خواہشات کے زیر اثر ایک دوسرے میں مدغم ہیں اور مشترکہ زندگی گزارتے ہیں۔[2]

بحث سوم: اصلاح کا مفہوم

اصلاح کا مطلب ہے:

نظم و باقاعدگی پیدا کرنا، اور اس کا الٹ فساد ہے[3]۔ اصلاح اور فساد کا ایک متضاد جوڑا بناتی ہیں جن کا ذکر قرآن اور دیگر الہامی کتابوں میں اکثر آیا ہے۔ متضاد زوج جو کہ اعتقادی اور اجتماعی اصطلاحوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان کو اگر آمنے سامنے رکھا جائے تو مطالب کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے، مثلاً ہم یہ متضاد زوج سنتے ہیں، توحید و شرک، ایمان و کفر، ہدایت و ضلالت، عدل و ظلم، خیر و

---

[1] http://urdulughat.info۔

[2] ۔ شہید مرتضٰی مطہری، مترجم: محاہد حسین حر، تاریخ اور معاشرہ، لاہور، چ: شہید مطہری فاونڈیشن معراج کمپنی لاھور، بی تا، ص ۱۰

[3] http://urdulughat.info۔

شر، اطاعت و معصیت، شکر و کفران، اتحاد و اختلاف، علمیت و بے علمی، تقویٰ و فسق، تکبر و انکسار وغیرہ۔ کچھ متضاد اصطلاحیں ایک دوسرے کے معنی کی وضاحت کر کے مثبت اور منفی پہلو کا اظہار کرتی ہیں، اصلاح اور فساد اسی قسم کی اصطلاحیں ہیں، قرآن میں اصلاح کا بعض دفعہ دو افراد کے رابطہ میں (اصلاح ذات، البین) استعمال ہوا ہے بعض دفعہ خاندانی ماحول کے متعلق اور بعض دفعہ وسیع تر معاشرتی ماحول کے متعلق جو کہ اس وقت میرے پیش نظر ہے اور اس کا قرآن کی کئی سورتوں میں ذکر ہے (سورہ بقرہ ۱۱، ۲۲۰، سورۂ اعراف ۵۶، ۱۷۰، ہود ۸۸، ۱۱ اور قصص ۱۹)۔ اس کے بعد جب میں اس تحقیق میں لفظ اصلاح استعمال کروں گی تو میرا مقصد معاشرے کی سطح پر اصلاح ہو گا یعنی اصلاح معاشرہ ہو گا۔ قرآن نے پیغمبروں کو مصلح قرار دیا ہے جیسے کہ حضرت شعیب ا(ع) نے فرمایا:

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ[1]

میں تو حسب استطاعت فقط اصلاح کرنا چاہتا ہوں اور مجھے صرف اللہ ہی سے توفیق ملتی ہے، اسی پر میرا توکل ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس کے برعکس قرآن منافق مصلحتوں کی سختی سے سرزنش کرتا ہے، قرآن میں وارد ہے کہ

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ[2]

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو کہتے ہیں: ہم تو بس اصلاح کرنے والے ہیں۔

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِنْ لَا يَشْعُرُونَ [3]

ا۔ سورہ ہود، آیت: ۸۸

[2] سورہ بقرۃ، آیت: ۱۱

[3] سورہ بقرۃ، آیت: ۱۲

یاد رہے! فسادی تو یہی لوگ ہیں، لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ[1]

تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کیے گئے ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو خود ان کے لیے بہتر تھا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان والے ہیں لیکن ان کی اکثریت فاسق ہے۔

بحث چہارم: طریقے کا مفہوم

(طَرِیقَہ –طَرِیق- طرق) طَرِیقَہ عربی زبان میں ثلاثی مجرد کے باب سے مشتق اسم 'طریق' کے ساتھ 'ہ' بطور لاحقہ نسبت لگانے سے 'طریقہ' بنا۔ اردو میں بطور اسم مستعمل ہے۔ ۱۷۰۷ء کو "کلیات ولی" میں مستعمل ملتا ہے۔

طریقہ اردو زبان میں مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ طریق، روش، طرز، ڈھنگ، قاعدہ، اصول، راستہ، ترکیب، طرح، طور، صورتِ حال، وضع، قاعدہ، نوع، انداز۔ان میں سے کچھ مثالیں ذکر کرتے ہیں تاکہ طریقہ کا معنی سمجھا جاسکے۔

طریق، روش، طرز، ڈھنگ۔ دنیا سے برتنے کا طریقہ نہیں آتا ہم سے تو ہمارے بھی شناسا نہیں ہوتے۔[2]

قاعدہ، اصول۔ چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو وہ طریقہ تو بتادو تمہیں چاہیں کیونکر[3] طرح، طور۔ ایڈز تین طریقوں سے پھیل سکتا ہے، جنسی اختلاط سے، جراثیم سے، آلودہ سوئی یا مریض فرد کی خون کی منتقلی سے یا متاثرہ ماں سے بچے کو منتقل ہوتا ہے۔[4]

---

[1] سورہ عمرآن، آیت ۱۱۰

[2] ۱۹۸۴ء، چاند پر دل، ۱۰۱

[3] ۱۹۰۵ء، داغ، انتخاب داغ، ۸۲

[4] ۱۹۹۰ء، جنگ، کراچی، ۱۵ مئی، ۳

صورتِ حال، وضع، قاعدہ، نوع، انداز۔
اجس کا صحیح طریقۂ وقوع اب تک صاف طور پر بیان نہیں کیا گیا۔[۲]

بحث پنجم: اصلاحی طریقے کی اہمیت وضرورت

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسانوں اور معاشروں کی اصلاح کے لیے دو طریقے استعمال کئے گئے: ایک تبلیغ اور دوسرا تعزیر۔ یعنی یا تو وعظ و نصیحت کے ذریعے اصلاح احوال کی کوشش کی گئی یا پھر سختی سے کام لیا گیا۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے بگڑے ہوئے انسانی معاشروں کی اصلاح کے لیے تبلیغ کا راستہ اختیار کیا۔ ان کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی۔ بعض انبیائے کرام علیہم السلام نے تبلیغ کے ذریعے بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح میں مکمل کامیابی حاصل کر لی۔ بعض کی تبلیغ سے کچھ لوگوں نے اپنی اصلاح کی اور کچھ بدستور گمراہی کے اندھیروں میں گم رہے۔ بعض پیغمبران عظام کے مخاطب معاشرے اپنے آپ کو تبدیل کرنے پر تیار نہ ہوئے اور انجام کار اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل کر دیا۔ یہ مثالیں مختلف معاشروں اور اقوام کی ہدایت اور راہنمائی حاصل کرنے کی استعداد کی نشاندہی کرتی ہیں۔

دلائل قرآنی: قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کو عظیم مصلح بیان کرتا ہے اور تبلیغ و تعزیر کے ذریعے اصلاح کا طریقہ بیان کرتا ہے۔

> كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ[۳]
>
> لوگ ایک ہی دین (فطرت) پر تھے، (ان میں اختلاف رونما ہوا) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور تنبیہ کرنے والے انبیاء بھیجے اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان امور کا فیصلہ کریں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

اصلاح معاشرہ کے لیے روایات بھی بہت زیادہ ہیں مگر فرمان امام حسینؑ کو بیان کرتے ہیں کہ امام نے اپنے قیام کا مقصد اصلاح معاشرہ قرار دیا ہے:

---

[۱] http://urdulughat.info

[۲] ۱۹۳۱ء، خلاصۂ طبقات الارض ہند، ۱۸

[۳] سورہ بقرہ، آیت: ۲۱۳

انما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی ارید ا ن امر بالمعروف و النهی عن المنکر و سیرة جدی محمد و سیة علی بن ابی طالب

یعنی میں نے تو صرف اپنے جد کی امت کی اصلاح کے لیے خروج کیا ہے، میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں اور میں اپنے جد محمد ﷺ اور اپنے باپ علی ابن ابی طالب کی سیرت پر چلنا چاہتا ہوں۔[1]

امام خمینی (رح) اصلاح معاشرہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سید الشہداء علیہ السلام اس کی خاطر میدان میں آئے خود اصحاب و انصار کو قربان کیا تاکہ فرد معاشرے پر قربان ہو اور معاشرے کی اصلاح ہو۔[2]

ضرورت:

انسانی معاشرہ میں اصلاح معاشرہ کی ضرورت اس وجہ سے پیش آتی ہے کیونکہ انسانی معاشرہ میں ابتدا ہی سے دو کرداروں کی جنگ جاری ہے۔ ایک الٰہی کردار اور دوسرا شیطانی کردار۔ ہر دور اور ہر معاشرہ میں بعض افراد الٰہی کردار کے مالک رہے ہیں انہوں نے الٰہی کردار و انسانی اقدار کی ترویج کی اور دوسرا کردار شیطانی کردار ہے جس نے نہ صرف الٰہی اقدار انسان کی پائمالی کی بلکہ غیر انسانی اقدار کو رائج کرنے کی کوشش کی مثلاً حضرت ابراہیمؑ و نمرود کی جنگ، موسیٰؑ اور فرعون کی جنگ، حضرت محمد ﷺ اور کفار مکہ، حضرت علی-اور معاویہ، حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید، شاعر مشرق علامہ اقبال ان دو کرداروں کی جنگ کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

ستیرہ کاررہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

اگر کوئی اصلاح کرنے والا اصلاح کا بیڑا نہ اٹھائے تو ذکر خدا مٹ جائے گا اور معاشرہ میں بہت بڑا فتنہ و فساد برپا ہوگا۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے!

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ [3]

---

[1] ڈاکٹر نجاح الطائی، مقتل الحسین و انصارہ، چ: دار الھدی الاحیاء التراث، بیروت، تا: ۲۰۱۱م، ج: ۱، ص: ۴۴

[2] (قیام عاشورہ، ۴۵)، www.hawzah.net/fa/magazine/view/4892

[3] سورہ انفال، آیت: ۷۳

اگر تم لوگ اس (دستور) پر عمل نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔

اصلاحی طریقے کی ضرورت کو تین اہم نکات کے ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

اصلاح احوال کا پہلا طریقہ تبلیغ ہی ہے۔ فرد ہو یا معاشرہ' اس کی اصلاح کا مطلب اس کی فکر اور طرز عمل میں تبدیلی ہے۔ تبدیلی لانے کے سلسلے میں اوّلین ضرورت صحیح وغلط درست و نادرست میں تمیز کا شعور پیدا کرنا ہے۔ گویا پہلے یہ بتایا جائے کہ خرابیاں کیا ہیں' ان کے مضمرات اور اثرات کیا ہیں۔ ان سے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے کیا نقصانات پیدا ہو رہے ہیں؟ سماجی' قومی' اخلاقی اور دینی لحاظ سے کیا کیا قباحتیں رونما ہو رہی ہیں؟ حتیٰ کہ معاشرہ کا شعور یہ تسلیم کرلے کہ یہ واقعی خرابیاں ہیں اور ان کو ختم ہونا چاہیے۔

دوسری ضرورت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو یہ خرابیاں ترک کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ اس کے لیے سعی پیہم اور مختلف طریقوں سے مؤثر اظہار کی ضرورت ہوتی ہے۔ تبلیغ کی مختلف صورتیں بروئے کار لاکر ایسی فضاء پیدا کردی جائے کہ لوگ خرابیاں ترک کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

تیسری اور آخری ضرورت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کی سوچ اور طرز عمل اس سانچے میں ڈھل جائیں جو متعلقہ نظریہ کا مقصد ہو اور اس طرح گفتار و کردار کا فرق مٹ جائے۔

بحث ششم: قرآنی طرز زندگی

اسلام انسان کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اس سرچشمہ حیات تک لے کر جاتا ہے جہاں انسانیت دوام وبقا سے ہمکنار ہوتی ہے جہاں انسانی قدروں کو جلا ملتی ہے۔

بقول چانڈل "اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے جس نے مذہب کو آخرت کے ہاتھوں سے چھین کر دنیا کو اسی طرح لوٹایا ہے جیسے سقراط نے فلسفہ کو آسمانوں سے زمین پر اتارا تھا، مسلمان نہ صرف سماجی ذمہ داری کا تصور رکھتے ہیں بلکہ شر کے خلاف نبرد آزما ہونے اور انسانیت، آزادی، انصاف اور خیر کی فتح کی کوشش کے آفاقی مقصد کا بوجھ اٹھاتے ہیں مزید بر آں مسلم معاشرے تمدن، قوت، دانشورانہ سائنسی اور فنی تخلیقیت، احترام، فتح اور آزادی سے مالا مال ہیں، انکی تہذیب روحانی، تصوراتی، زندگی بخش، حرکت خیز مثبت اور منور کرنے والے وسائل سے بھی معمور ہے اور خود مختار جیتے جاگتے

وسائل سے بھی، یہ ایک ایسا سمندر ہے جو جذباتی ذہانت کی طوفانی لہروں سے بھرا ہوا ہے کہ جو روح کی پاکیزگی اخلاق اور انسانی طرز ہائے احساس میں اضافہ کرتا ہے۔[1]

کاش کوئی مسلمانوں کو سمجھاتا کہ آج ان کی پسماندگی کا علاج نہ مغرب کے پاس ہے نہ مشرق کے، بلکہ خود انکے اپنے پاس ہے اس لیے کہ مغرب ظاہری لذتوں سے انسان کو آشنا کرا کر اسے اس خواجگی کی چرنوں میں پھول چھڑھانے کی منزل تک لے جاتا ہے جہاں آزادی کو غلامی کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے جبکہ قرآن نہ صرف یہ کہ انسان کو مشرب حریت سے آشنا کرتا ہے بلکہ ایسا مذاق فکر پیدا کر دیتا ہے جہاں انسان اپنے ضمیر کی آوازوں کو درھم ودینار کی جھنکار میں کبھی نہیں دبنے دیتا-

وہ سرمایہ دار طبقہ ہے جو اسی خواجگی کی آڑ میں مختلف حیلوں بہانوں اور اپنی مکاریوں سے مزدوروں کے لہو کا قطرہ قطرہ اپنے کاسہ اقتدار کی ملکیت سمجھتا ہے جبکہ قرآنی تعلیمات ان بتوں کو توڑتی نظر آتی ہیں جنہیں خواجگی نے اسی لیے بنایا کہ انسانیت کو مختلف طبقوں میں بانٹ کر ان پر اپنا تسلط قائم کیا جائے۔

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

مسلمانوں کی قرآن کی طرف بازگشت ہی انہیں انکے درخشان دور کو واپس دے سکتی ہے اس لیے کہ قرآن کو چھوڑ کر تو مسلمان مسلمان بھی نہیں ہیں بلکہ رسم ورواج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ایسے بہروپیے ہیں جو خود کو مسلمان کہہ کر اسلام و مسلمانوں کا استحصال کرتے ہیں وہ زندگی ہی کیا ہے جو قرآن کے بغیر ہو وہ مسلمان کیا مسلمان کہے جانے کے لائق ہے جس کی زندگی میں سب کچھ ہو لیکن قرآن نہ ہو ، کیا قرآن کے بغیر جینے کو بھی جینا کہا جاسکتا ہے بقول علامہ اقبال:

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

[1] ڈاکٹر علی شریعتی، اقبال ایک ثقافتی تناظر نقل از تہذیب، جدیت، بی چ، بی تا، ص: ۱۱

انسان کا ضمیر آزاد ہو تو وہ خود سمجھ سکتا ہے کہ قرآن انسانیت کو کہاں لے کر جانا چاہتا ہے اور مغربی تہذیب انسانی قدروں کو کہاں پہنچانا چاہتی ہے۔اب مسلمان خود فیصلہ کرے کہ کیا اس کی تقدیر اس مغرب کی مٹھی میں بند ہے جو انسان کو خود سے بیگانہ کرنے کے درپے ہے یا اس قرآن میں جو انسان کو خود اس کے وجود سے آشنا کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ خود محوری سے نکل کر اس منزل پر پہنچے کے اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو مقدم رکھے تاکہ انسانیت کے بہتر مستقبل اور بہترین انسانی معاشرے کی تعمیر ہو سکے اب یہ تو مسلمانوں کی کم آئیگی ہے کہ قرآن جیسی کتاب انکے پاس ہے لیکن وہ دوسروں کا دست نگر بنے ہوئے ہیں! جبکہ انہیں یہ نہیں معلوم جن چوکھٹوں پر یہ جبین نیاز جھکائے کھڑے ہیں خود انہوں نے جو کچھ حاصل کیا ہے قرآن سے حاصل کیا ہے ایک معروف اس کالر کے بقول: "بحر اطلس سے دریائے گنگا تک قرآن صرف فقہی قوانین تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک ایسا قانون اساسی اور آئین زندگی ہے

جس میں قضاوت، شہر داری، تجارت، مالی اور رفاہی امور سبھی شامل ہیں—زندگی سے متعلقہ ہر شعبہ کا تذکرہ قرآن میں ہے.....یہ ایک ایسا عمومی دستور ہے۔

جس میں تمام دینی، اجتماعی، بلدیاتی، تجارتی، عدالتی، دستورات شامل ہیں۔[1]

نہ صرف یہ کہ قرآن کے اندر زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ایک خاطر خواہ حل موجود ہے بلکہ بقول اڈوار مونٹ {Edvarmontet} "سیکڑوں اور ہزاروں لوگوں کی زندگی قرآن سے وابستہ ہے"[2] شاید اس قول کو بعض لوگ قرآن کے بارے میں ایک مغربی دانشور اور مستشرق کی جزباتی مدح سرائی سے تعبیر کریں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر زندگی کو حقیقت کے پیرایہ میں دیکھا جائے تو وہ قرآن سے وابستہ ہی نظر آئے گی اس لیے کہ ظلمتوں کے اس دور میں قرآن ہی وہ چراغ ہدایت ہے جسکی روشنی میں زندگی کے واقعی مقصد تک پہنچا جا سکتا ہے اور اس کے دستورات پر عمل کر کے اپنی زندگی کو شیریں بنایا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس تاریک دور میں اگر کوئی چیز خوب و بد کو واضح کر رہی ہے تو وہ قرآن ہے-امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں!

---

[1] Magazine.mohaddis.com

[2] Magazine.mohaddis.com

و ان القرآن ظاهره انيق وباطنه عميق لاتفني عجائبه ولاتنقضي غرائبه ولا تكشف الظلمات الا به[1]

یعنی قرآن کا ظاہر خوبصورت و حسین اور باطن عمیق ہے اس کے عجائب فناناپذیر اور غرائب (ہمیشہ نکھرتا ہوا نئے پن کے ساتھ) اختتام ناپذیر ہیں ظلمتوں میں اجالا ہو ہی نہیں سکتا سوائے قرآن کے۔

اسلام بین الاقوامی مذہب ہے اور اس کی تعلیمات بھی اس امر کا مظہر ہیں کہ ان کا تعلق صرف اہل اسلام سے نہیں بلکہ غیر مسلم حضرات کے لیے بھی اس میں باقاعدہ رہنمائی موجود ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ غیر مسلم حضرات نے جب بھی اسلام قبول کیا اس میں سب سے بڑی وجہ قرآن مجید کا مطالعہ اور دوسری اہم وجہ اہل اسلام کا مثالی کردار رہا ہے چنانچہ انسانیت نے ان کے عمل اور کردار سے متاثر ہو کر اسلام کو گلے لگایا۔

فصل دوم: قرآن کی نظر میں معاشرے کی اصلاح کے طور طریقے:

مضمون کے آغاز میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اصلاح نام ہے، دوستی یا ازالہ فساد کا۔ لہٰذا معاشرے میں جہاں جہاں بھی فساد ہو گا۔ اس کو درست کرنے کا نام اصلاح ہو گا۔ اسلامی معاشرہ ایک ایسی متوازن اور معتدل زندگی کا نام ہے جس میں انسانی عقل، رسوم و رواج اور معاشرتی آداب وحی الٰہی کی روشنی میں طے پاتے ہیں۔ یہ نظام ایسا جامع اور ہمہ گیر ہے کہ زندگی کے تمام مظاہر اور حیات کی جملہ سرگرمیاں اس کے دائرہ میں آجاتی ہیں۔ الہام ربانی کے اصولوں کے مطابق معاشرے کی صحیح زندگی اس کا توازن ہے جہاں کہیں پر توازن بگڑا وہیں فساد رونما ہو گیا۔ انسانوں کی معاشرتی تاریخ اصلاح و فساد، توازن و عدم توازن کی تصویر پیش کرتی ہے۔ ہر زمانے میں فساد کو مٹانے اصلاح پر گامزن کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ تاریخ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ انسانی اصلاح کے تھوڑے بہت نتائج بھی مرتب ہوئے لیکن بحیثیت مجموعی انسان کی معاشرتی زندگی میں بگاڑ غالب رہا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

[1] محمد بن حسین رضی شریف، مترجم: سید ذیشان حیدر جوادی، نہج البلاغہ، چ: محفظ بک ایجنسی کراچی، تا: اکتوبر ۲۰۱۳ء، چاپ ۶، ص: ۵۹، خطبہ: ۱۸

اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ [1]

اے آل داؤد! شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک نے مختلف اقوام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ O الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ O فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ [2]

اور میخوں والے فرعون کے ساتھ، ان لوگوں نے ملکوں میں سرکشی کی۔ اور ان میں کثرت سے فساد پھیلایا۔

چنانچہ اسی فساد کو مٹانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام و مصلحین کرام کو بھیجا، جو وقتاً فوقتاً اس فساد کو دور کرنے کے لیے اصلاحی کوشش کرتے رہے۔ اس وقت ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ ہم قرآنی نقطہ نظر سے اصلاح معاشرہ کا تصور پیش کریں اور یہ جائزہ لیں کہ: قرآنی کی نظر میں معاشرے کی اصلاح کے طور طریقے کیا ہیں؟ پس اس ضرورت کے پیش نظر اختصار کے باعث ہم یہاں قرآن کی رو سے معاشرے کی اصلاح کے چند اہم اصلاحی نکات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ا۔ توحید و شرک و معاد کا صحیح تصور اجاگر کرنا:

سب سے پہلے افراد کے ذہنوں میں خدا کا صحیح تصور اور عقیدۂ آخرت کی اہمیت پر زور دیا جائے۔ نیز شرک سے اجتناب کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ تاکہ لوگ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے افعال میں خداوند کریم کے سامنے جواب دہی کے تصور کو مردہ نہ ہونے دیں اور صحیح نصب العین اور اعلیٰ و ارفع اقدارِ حیات کے حصول کی خاطر کوشاں رہیں۔ تمام پیغمبروں کی پہلی بات یہی تھی کہ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا:

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ [3]

---

[1] سورۃ سبا، آیت: ۱۳

[2] سورہ فجر، آیت: ۱۰-۱۲

[3] سورہ نحل، آیت: ۳۶

کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے اجتناب کرو۔

سب سے بڑا گناہ جس سے کوئی انسان یا معاشرہ دوچار ہوتا ہے، شرک ہے۔ خداوند عالم ہر گناہ معاف کر دیتا ہے سوائے شرک کے۔ قرآن اپنی زبان میں غیر خدا کا تصور یوں پیش کرتا ہے!

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا [1]

اللہ اس بات کو یقینا معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ دیگر گناہوں کو جس کے بارے میں وہ چاہے گا معاف کر دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا اس نے تو عظیم گناہ کا بہتان باندھا۔

شرک اتنا مہیب گناہ ہونے کے باوجود دنیا کے لوگوں میں اس کے مرتکبین بہت زیادہ ہیں۔ شرک جاھلیت کے معاشرے میں بھی ہوتا تھا۔ اور اسلامی معاشرے میں بھی ہوتا ہے۔ مگر اسلامی معاشرہ میں پایا جانے والا شرک خدا کے صحیح تصور سے منحرف کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ توحید اور شرک عقائد سے اعمال تک نیتوں سے اخلاق تک اور فرد سے معاشرے تک ہر ایک کو اپنے زیر اثر رکھتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں!

ان بنی امیه اطلقواللناس تعلیم الایمان و لم یطلقوا تعلیم الشرک لکی اذا حملوهم علینه لم یعرفوه [2]

یعنی بنی امیہ نے عوام کے لیے ایمان سیکھنے کا راستہ کھلا رکھا لیکن شرک کیا ہے یہ جاننے کا راستہ بند کر دیا تاکہ اگر لوگوں کو شرک کی طرف لے جائیں تو لوگ اس کو نہ پہچان سکیں۔

اس حدیث سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ شرک دشمنان دین (طاغوت) کے ہاتھ میں ایک سیاسی و اجتماعی تخریبی ہتھیار تھا جس سے وہ کام لیا کرتے تھے اور آج کے دور میں بھی نسل بنی امیہ آل سعود

[1] سورہ النساء، آیت: ۴۸

[2] محمد یعقوب کلینی، محمد غفار علی اکبر، اصول کافی، چ: دار الکتاب الاسلامیہ تہران، تا: ۱۴۰۹ھ، ج: ۲، ص: ۴۱۵

(طاغوت)اسی کام کو انجام دے کر قرآنی معاشرے میں بگاڑ بن رہی ہے تاکہ اپنے ڈھنگ سے معاشرہ قائم کرے اور اپنے مفاد حاصل کریں۔

شرک کے تصور کے زیرِ اثر انسان جو طرزِ عمل اختیار کرتا ہے۔ اس سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ انسان کی پوری زندگی اوہام کی آماجگاہ بن جاتی ہے وہ اچھے اثرات کی موہوم امید وار برے اثرات کے خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنی بہت سی قوتیں لاحاصل طریقے سے ضائع کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ چالاک لوگ مشرکانہ توہم پرستی کے جال میں لوگوں کو پھانس کر لوٹ کھسوٹ شروع کر دیتے ہیں، شرکیہ عقیدے کی بدولت عام انسانوں کی گردنوں پر شاہی خاندانوں، روحانی پیشواؤں اور مذہبی عہدہ داروں کی خدائی کا جواء مسلط ہو جاتا ہے۔ اس سے نہ تو علوم و فنون ہی ترقی پاتے ہیں اور نہ ہی درست فلسفہ، صالح ادب اور تمدن و سیاست کے لیے فضا ہموار ہوتی ہے۔ انسانیت گمراہی اور دھوکے کا شکار ہو کر خود اپنے ہی خلاف جنگ کرنا شروع کر دیتی ہے، اور بالآخر انہی راہوں پر گامزن ہو جاتی ہے جن کا ذکر انکارِ خدا کے ضمن میں کیا گیا ہے۔ جبکہ توحید اور اس کے آثار پر ایمان ہی ایک ایسی قوت ہے جس سے کالموں کی جڑ بنیاد قطع ہوتی ہے۔

انکارِ آخرت بھی، انکارِ خدا اور شرک ہی کی ایک کڑی ہے۔

معاد کا اعتقاد، ایک امید اور اطمینان کا سہارا ہے اور کشتی نجات کا ساحل سے ہمکنار ہونا ہے۔ قرآن مجید نے اس کو د "ارالقرار" کے نام سے یاد کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ [1]

اے میری قوم! یہ دنیاوی زندگی تو صرف تھوڑی دیر کی لذت ہے اور آخرت یقینا دائمی قیام گاہ ہے۔

آخرت اصل میں نام ہے اعمال وافعال کے اس نتیجے کا جو اس دنیا میں ہم کر رہے ہیں اور اگر جزاو سزا کا تصور سرے سے ذہن میں موجود ہی نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نیکی صرف دنیاوی فوائد اور برائی صرف دنیاوی نقصانات تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔ ان حالات میں انسان کی حالت دو حال سے خالی نہ ہو گی۔ حالات ناموافق ہوں گے۔ تو نیکوکاری کے نتائج ظاہر نہ ہونے پر اس کی قوتِ عمل

---

[1] سورہ غافر، آیت: ۳۹

سرد پڑ جائے گی اور وہ برائی کی طرف مائل ہو جائے گا اور ساز گار حالات کی صورت میں انسان نفس پرست بن جائے گا اور دنیاوی خواہشات و لذات حاصل کرنے کے لیے جائز و ناجائز ذرائع کا استعمال شروع کر دے گا۔ خود قرآن حکیم اور سنت نبویؐ اس بات کا اثبات پیش کرتی ہے۔ ارشاد ہوا:

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى

اور اُس کا مال آخر اُس کے کس کام آئے گا جبکہ وہ ہلاک ہو جائے؟[1]

حضرت رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ان الله لا ينظر الى صوركم،ولا الى اموالكم،ولكن ينظر الى قلوبكم و اعمالكم[2]

یعنی خداوند عالم تمہاری شکل و صورت اور تمہارے مال و اولاد کو نہیں دیکھے گا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کے (لحاظ سے حساب و کتاب کرے گا)۔

اور یہ دونوں صورتیں انسانیت کی تباہی کا سبب بن سکتی ہیں۔ یہ تو رہا انفرادی زندگی کا معاملہ اور اگر کہیں پوری سوسائٹی کے افعال و اعمال کا دار و مدار اسی اعتقاد پر ہو تو پورا معاشرہ خود غرضی اور نفسانیت کی لپیٹ میں آئے گا اور ایسے معاشرہ کے انجام کا تصور کرنا کچھ مشکل نہ ہو گا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ قیامت کا اعتقاد انسان کی انفرادی اور معاشرتی زندگی پر موثر ہے، کیونکہ قیامت پر ایمان رکھنے والا شخص قرآن کریم اور سنت نبویؐ سے تمسک رکھتا ہے، جیسا کہ قرآن اور سنت نبوی میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتایا گیا اسی لیے وہ ہر صاحب حق کے حق کو ادا کرتا ہے، ہر کام کرتے وقت اس کو ذمہ داری اور فرض کا احساس ہوتا ہے، اور دوسروں کے حقوق پر زیادتی کو ظلم سمجھتا ہے، لہٰذا ان پر ظلم و ستم روا کرنے سے پرہیز کرتا ہے کے اسے ان سب کا حساب دینا ہو گا۔ پس آخرت کا صحیح تصور معاشرے کی اصلاح کا باعث ہے۔

[1] سورہ لیل، آیت: ۱۱

[2] تفسیر رازی: ۲۲: ۱۳۵ دار الحیاء التراث العربی، بیروت

۲۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلامی قوانین میں سے دو اہم قانون اور فروع دین میں سے ہیں۔قرآن کریم اور معصوم راہنماؤں نے اس فریضہ کے بارے میں کافی تاکید کی ہے۔ صرف اسلام ہی نہیں بلکہ دوسرے ادیان آسمانی نے بھی اپنے تربیتی احکام کو جاری کرنے کے لیے ان کا سہارا لیا ہے۔لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انبیاءؑ کی روش اور نیک کردار افراد کا شیوہ اور طریقۂ کار ہے۔[۱]

پس معاشرے کے اندر کسی ایسے ادارہ کی تشکیل کی جائے جو اصلاح و فساد کا تعین کرے اور ان تدابیر کو قابل عمل بنائے جن سے بگاڑ کی روک تھام ہو سکے۔دینی نقطۂ نظر سے اس کو ادارہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہہ سکتے ہیں۔کیونکہ امت مسلمہ کی خصوصیت میں یہی بات بیان فرمائی گئی ہے۔ قرآن میں تقریباً آٹھ جگہوں[۲] پر ہمیں امر بالمعروف والنھی عن المنکر کے بارے میں نصیحت کی گئی ہے۔

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ[۳]

وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے، نیک کاموں کا حکم دیتے، برائیوں سے روکتے اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی صالح لوگوں میں سے ہیں۔

امت کے ایک گروہ کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فریضہ قرار دیا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ[۴]

---

[۱] محمد بن حسن حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج: قم، موسسۂ آل بیتؑ، ج: ۱، ص: ۳۹۵

[۲] (آل عمران: ۱۰۴) (آل عمران: ۱۱۰)(آل عمران: ۱۱۴) (الأعراف: ۱۵۷)(التوبۃ: ۷۱)(التوبۃ: ۱۱۲) (الحج: ۴۱) (لقمان: ۱۷)

[۳] آل عمران: آیت: ۱۱۴

[۴] آل عمران: آیت: ۱۰۴

اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت اور بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

بے شک مسلمان اس وقت برتر و ممتاز امت کہلائیں گے جب وہ ایک دوسرے کو نیکیوں کی دعوت دیں اور برائیوں سے روکیں اور اگر مسلمان ان دو فریضوں کو بھلادیں تو نہ بہترین امت کہلائیں گے اور نہ ہی انسانیت کے لیے مفید واقع ہوں گے۔[1]

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام ان دو الٰہی فریضوں کا دوسرے اسلامی احکام سے مقایسہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

یاد رکھو کہ جملہ اعمال خیر مع جہاد راہ خدا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابلہ میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو گہرے سمندر میں لعاب دہن کے ذرات کی حیثیت ہوتی ہے۔[2]

رسول خداؐ ایک خوبصورت مثال میں معاشرے کو ایک کشتی سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر کشتی میں سوار افراد میں سے کوئی یہ کہے کہ کشتی میں میرا بھی حق ہے لہٰذا میں اس میں سوراخ کر سکتا ہوں اور دوسرے مسافرین اسکو اس کام سے نہ روکیں تو اس کا یہ کام سارے مسافروں کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔اس لیے کہ کشتی کے غرق ہونے سے سب کے سب غرق اور ہلاک ہو جائیں گے اور اگر دوسرے افراد اس شخص کو اس کام سے روک دیں تو وہ خود بھی نجات پاجائے گا اور دوسرے مسافرین بھی۔[3] کیونکہ جس معاشرہ میں خیر و شر کی تمیز مٹ جائے (خیر اور شر کا معیار وحی الٰہی اور احکام قرآنی پر رکھا جائے گا) وہ ضلالت اور گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ افراد کی نظر میں نیکی نیکی اور بدی بدی نہیں رہتی اور لوگ صرف ظاہری منفعتوں کے زیر اثر کام کرتے ہیں۔ ایسی قوم اور ایسے معاشرے کا زوال یقینی اور حتمی ہو جاتا ہے۔ پس دعوت الی الخیر، برائی سے روکنا اس امت کا خاصہ اور دینی فریضہ ہے۔ جب ہر فرد اپنے حقیقی مشن "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کو پہچانتے ہوئے عملی

---

[1] ناصر مکارم شیرازی، مترجم: صفدر حسین نجفی، تفسیر نمونہ، چ: لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ، تا: ۲۰۱۴، ج: ۲، ص: ۹۷

[2] محمد بن حسین رضی شریف، مترجم: سید ذیشان حیدر جوادی، نہج البلاغہ، چ: محفظ بک ایجنسی کراچی، تا: اکتوبر ۲۰۱۳ء، چاپ ،۶، ص: ۷۶۴، کلمہ: ۳۷۴

[3] (صحیح بخاری ۲!۸۸۷)

جامہ پہنائے گا تو ایک پر امن، باہمی اخوت اور مودّدت کا مثالی معاشرہ تشکیل ہو گا۔ اس طرح اگر امت مسلمہ اپنے فریضہ کو پہچانے، اس کا صالح عنصر مجتمع ہو جائے اور اس کا اپنا ذاتی اور اجتماعی رویہ خالص راستبازی، انصاف، حق پسندی، خلوص اور دیانت پر مضبوطی سے قائم ہو جائے تو منظم نیکی کے سامنے منظم بدی اپنے لشکروں کی کثرت کے باوجود شکست کھا جائے گی اور اگر خیر کے علمبردار سرے سے میدان میں ہی نہ آئیں تو میدان لامحالہ علمبردارانِ شر کے ہاتھ میں رہے گا۔

۳۔ مسجد کی دینی اور سماجی حیثیت کو اجاگر کرنا:

اسلام میں مسجد کو عبادت، تعلیم و تربیت، ثقافت اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے مرکزی مقام حاصل رہا ہے بلکہ مسلمانوں کی تمام سرگرمیوں کا مرکز و منبع مسجد ہی تھی۔ اسلام کی تعلیم کا آغاز مسجد سے ہوا۔ پیغمبر اسلام جناب محمد ﷺ نے ہجرت فرمائی تو مدینہ سے باہر مسجد کی بنیاد رکھی جو سب سے پہلی مسجد ہے اور پھر مدینہ منورہ میں دوسری 'مسجد نبوی' بنائی۔ اس میں دینی اور دنیاوی تعلیمات کی شروعات کیں۔ اسی مسجدِ نبوی سے علم و عرفان، تہذیب و تمدن، اتحاد و یگانگت، اجتماعیت، مساوات واخوّت کے جذبات پروان چڑھے اور معاشرہ روز بروز منور ہوتا چلا گیا۔ موجودہ دور میں مسلمان معاشروں میں معاشرتی، اخلاقی، سیاسی اور انتظامی بگاڑ عام ہو چکا ہے۔ اس کی ابتدا اُس وقت ہو گئی تھی جب مسلمان کا تعلق مسجد سے کمزور ہوا۔ آج اگر ہم آرزومند ہیں کہ معاشرہ کی اصلاح ہو اور وہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے تو ہمیں مسجد کے بنیادی کردار کو فعال کرنا ہو گا۔ ذیل میں اسی بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ اصلاحِ معاشرہ میں مسجد کا کیا کردار ہے۔ مسجد ہدایت واصلاح کی جگہ ہے اور قرآنِ مجید نے اس بات کی شہادت یوں دی ہے

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ[1]

سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لیے بنایا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے جو عالمین کے لیے بابرکت اور راہنما ہے۔

امام حسن ابن علیؑ مسجد کے فوائد بطور اصلاح معاشرہ یوں پیش کرتے ہیں:

---

[1] سورہ آل عمران، آیت: ۹۶

مَنْ اَدامَ الْاِخْتِلافَ اِلَى الْمَسجِدِ اَصابَ اِحْدى ثَمانٍ: اٰيَةً مُحْكَمَةً وَ اَخاً مُسْتَفاداً وَ عِلْماًمُسْتَطْرَفاً،وَ رَحْمَةً مُنتَظِرَةً وَ كَلِمَةً تَدُلُّهُ عَلَى الْهُدى اَوْ تَرُدُّهُ عَنْ رَدِيٍّ وَ تَرَكَ الذُّنُوبَ حَياءً اَوْخَشْيَةً

یعنی جو کوئی مسلسل مسجد میں (نماز وغیرہ کے لیے) آئے جائے تو ان آٹھ فوائد میں سے ایک ملے گا۔ ۱-قرآن کی آیات کی روشنی سے استفادہ ملے گا، ۲-نیک رفیق ملے گا، ۳-تازہ علم ملے گا، ۴-رحمت خداوندی جو اس کے انتظار میں ہے اس سے روبرو ہو گا، ۵-ایسی باتیں سنیں گا جو اس کے لیے راہنما ثابت ہوں گی، ۶-انحراف سے امان میں رہے گا، ۷-حیاء کی وجہ سے گناہ ترک کر دے گا، ۸-ڈر (خوف خدا) ترک گناہ کا موجب بنے گے۔[1]

اصلاحِ معاشرہ کے لیے مساجد کا نمایاں کردار درج ذیل پہلوؤں کا حامل ہے ان میں سے دو پہلوں پر روشنی ڈال کر ثابت کیا جائے گا کہ مسجد کس طرح معاشرے کی اصلاح کرتی ہے۔ ۱۔ روحانی تربیت میں کردار ۲۔ معاشرتی کردار ۳۔ مسجد اور تعمیر کردار۔ ثقافتی کردار ۵۔ معاشی اور مالی کردار

۱- روحانی تربیت میں کردار: مسجد مسلمان کی روحانی تربیت میں مندرجہ ذیل صورتوں میں اپنا کردار ادا کرتی ہے:

ا۔ طہارت وصفائی: مسلمان جب نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کا رُخ کرتا ہے تو وہ اپنی طہارت کا اہتمام کرتا ہے۔ ظاہری صفائی کے ساتھ وہ باطنی گندگی یعنی شرک، کینہ، حسد، بغض وغیرہ سے بھی اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

ب۔ توحید: نماز کی ادائیگی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي [2]

میری بندگی کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کریں۔

مسلمان جب نماز کے ترجمہ پر غور کرتا ہے تو عقیدہ توحید مزید پختہ ہو جاتا ہے۔

[1] محمد باقر بن محمد تقی مجلسی، بحار الانوار، چ: دار الحیاء التراث العربی، بیروت، تا: ۱۴۰۳ق، ج: ۷۵، ص: ۱۰۸

[2] سورہ طہٰ، آیت: ۱۴

ج۔ تعلق باللہ میں مضبوطی: مؤمن جب پانچ دفعہ مسجد میں جاکر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے تو اس عمل سے مسلمان کا اللہ سے تعلق مضبوط تر ہو جاتا ہے۔

د۔ فرائض کے ادا کرنے کا جذبہ: نماز جیسے اہم اور بنیادی فرض کی ادائیگی سے دوسرے تمام فرائض کو ادا کرنے کا جذبہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔

ر۔ روحانی قوت میں اضافہ: باجماعت نماز ادا کرنے سے روح کی تطہیر ہو جاتی ہے، کامل توجہ اللہ کی طرف ہونے سے دل شیطانی وسوسوں اور خیالات سے پاک ہو جاتا ہے اور وہ اس عربی مقولہ کا مصداق بن جاتا ہے:

المؤمن في المسجد كالسمك في الماء والمنافق في المسجد كالطير في القفسس

مؤمن مسجد میں ایسے ہوتا ہے جیسے مچھلی پانی میں اور منافق مسجد میں ایسے ہوتا ہے جیسے پرندہ پنجرے میں۔[1]

۲- معاشرتی کردار: مسجد مسلم معاشرے کا مرکز و مرجع ہے، اس لیے بہت سے معاشرتی اُمور اس سے وابستہ ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

ا۔ ملتِ واحدہ: مسلمان جب نماز کے لیے مسجد میں جاتا ہے تو اسے تمام مسلمان اسلام کے رشتہ اخوت سے جُڑے دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ مسجد میں ذات پات، رنگ و نسل، علاقے اور ملک، امیر اور غریب میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا بلکہ بقول شاعر:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

ب۔ حقوق و فرائض: جب مسلمان مسجد میں اکٹھے ہوتے ہیں تو آپس میں تمام حقوق و فرائض اَدا ہو جاتے ہیں جیسے ایک دوسرے کو سلام و جواب کرنا، بیمار کی عیادت کرنا، باہم ایک دوسرے کا احترام اور حاجت مندوں کی مدد کرنا شامل ہے اس کے علاوہ دیگر حقوق العباد کا احساس بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

---

[1] Magazine.mohaddis.com

ج۔ اجتماعی مسائل کا اِدراک : معاشرے میں مسجد کے ذریعے سے معاشرتی مسائل کا ادراک حاصل ہوتا ہے، مسجد میں وہ ایک دوسرے سے بلا رکاوٹ ملتے ہیں اور درپیش مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ کوئی لوڈشیڈنگ اور مہنگائی کا ذکر کرتا ہے تو کوئی بدامنی، دہشت گردی کے ظلم و ناانصافی کی بات کرتا ہے اور ایسے ہی انفرادی مسائل کا اندازہ بھی انکے ذریعے سے ہوتا ہے۔ مسجد دعوت و تبلیغ کا مرکز اور اسلامی معاشرے کا محور رہی ہے۔ مسجد ہی مسلمانوں کی ظاہری، باطنی اور مادی آبیاری اصلاح کرتی رہی۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر آئمہؑ اور بعد کے دور میں بھی ایسا ہی کردار ادا کرتی رہی۔ دشمنوں نے اس کی اہمیت، مرکزیت اور ہمہ گیریت کو سمجھ کر اس کے خلاف گہری اور پوشیدہ سازشیں شروع کر دی تاکہ اس کے کردار کو ختم یا کم از کم کمزور ضرور کر دیا جائے۔ پس قرآنی معاشرے کی بقاء اور معاشرے کی اصلاح میں مسجد اہم کردار ادا کرتی ہے۔ لہذا طاغوت زمانہ کی سازشوں سے باخبر رہ کر مسجد کی دینی اور سماجی حیثیت کو اجاگر کرنا اصلاح معاشرہ کا باعث ہے۔

۴۔ جہاد کے ذریعے اصلاح

جہاد معاشرے کی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔ قرآن کریم میں جہاد ایک اہم فریضہ ہے۔ اسے پورے الٰہی نظام اور توحید کی اساس کا محافظ قرار دیا گیا ہے۔ جہاد بھی معاشرے کی اصلاح کا ایک اہم پہلو ہے۔ خود قرآن اس بات کی تائید کر رہا ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ [1]

اور جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنے راستے کی ہدایت کریں گے اور بتحقیق اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

امام علیؑ جہاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جاهد فی الله حق جهاده،ولا تأخذک فی الله لومة لائمه [2]

یعنی جو حق جہاد کرنے کا ہے، خدا کی راہ میں ویسا جہاد کرو اور خدا کی راہ میں کسی ملامت سے نہ ڈرو۔

---

[1] سورہ عنکبوت، آیت: ۶۹

[2] عبدالواحد بن محمد تمیمی آمدی، (محقق: سید مہدی رجائی)، غرر الحکم ودرر الکلم، قم: دار الکتاب الاِسلامی، چ: دوم ۱۴۱۰ق۔

اسلامی جہاد سے معاشرہ جیسا صاف ستھرا اور پُر امن رہتا ہے ایسا کسی بھی ذریعہ سے نہیں رہ سکتا، یہ اسلامی جہاد ہی ہے جس کی بدولت خود بخود ہر انسان اپنے آپ پر نگاہ رکھتا ہے اور اپنا محاسبہ کرکے آلودگیوں سے بچنے کے راستے فراہم کرتا ہے، اسے ہم جہاد بالنفس کہتے ہیں، اس جہاد کو جہاد اکبر بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس جہاد کو انجام دینا سب سے مشکل کام ہے جس کو امام جعفر صادقؑ اور امام حسن عسکریؑ نے یوں بیان فرمایا! اشدّ النّاس اجتهاد من ترک الذنوب[1] یعنی مشکل ترین جہاد اس کا ہے جو گناہ (کرنا) چھوڑ دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ " :"المجاهد من جاهد نفسه" یعنی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔[2] جب ہر انسان اسلامی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے اپنے نفس کو برائیوں اور خواہشات کی پیروی سے دور رکھنے کے لیے جدوجہد کرے گا تو یہ معاشرہ جنت نظیر بن جائے گا۔ یہ اسلامی جہاد ہی ہے جس کی وجہ سے ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ اپنے قلم کو معاشرے کی اصلاح و بھلائی میں استعمال کرے، اسے جہاد بالقلم کہا جاتا ہے، جہاد بالقلم یعنی معاشرے کو سدھارنے کے لیے قلم کے ذریعہ کوشش کی جائے، اس جہاد کا بھی بے حد ثواب ہے اور اس کا درجہ تلوار کے جہاد سے بڑا ہے، قول معصومؑ ہے کہ: "عالم کے قلم کی سیاہی کا قطرہ شہید کے خون سے افضل ہے"[3]

قلم کے ذریعہ کیا گیا جہاد سب سے زیادہ دیر پا ہوتا ہے، تقریریں ذہنوں سے محو ہو سکتی ہیں لیکن قلمی کاوشیں کتابوں اور لٹریچر کی شکل میں زیادہ عرصہ تک محفوظ رہتی ہیں، جس سے کئی کئی نسلیں استفادہ کر سکتی ہیں اسی لیے جہاد بالقلم کی بہت تاکید ہے۔ یہ اسلامی جہاد ہی ہے جو انسانوں کو یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے برائیوں کو نہ پھیلنے دیں اسے جہاد باللسان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جاهدو المشركين بأيد يكم والسنتكم [4] "یعنی اپنے

[1] عبدالواحد بن محمد تمیمی آمدی، (محقق: سید مہدی رجائی)، غرر الحکم و درر الکلم، قم: دار الکتاب الاسلامی، چ: دوم ۱۴۱۰ق۔
[2] الترمذی: ۱۶۲۱ و قال: "حدیث حسن صحیح" وسندہ حسن و صححہ ابن حبان / موارد: ۱۶۲۴ و الحاکم علی شرط مسلم ۷۹/۲ و وافقہ الذہبی (
[3] ڈاکٹر محمد عندلیب، مترجم: سید کمیل اصغر زیدی، آداب اسلامی، چ: المصطفیٰ بین الاقوامی مرکز اسلام آباد، تا: ستمبر ۲۰۱۲ء، ج: ۲، ص: ۱۲
[4] المختارۃ للضیاء المقدسی ج ۵ ص ۳۶ ح ۱۶۴۲ و اللفظ لہ، سنن ابی داؤد: ۲۵۰۴

ہاتھوں کے ساتھ مشرکوں سے جہاد کرو۔" یہ اسلامی جہاد ہی ہے جو معاشرے پر ہر قسم کے حملہ کو تحفظ کے ذریعہ روکنے کی تاکید کرتا ہے، تحفظ صرف تلوار یا دیگر اسلحہ سے ہی نہیں ہوتا بلکہ معاشرے پر چاہے اقتصادی حملہ ہو یا مغربی اخلاقی فلموں اور سیریلوں کے ذریعہ ثقافتی یلغار ہو دفاع کرنا ضروری ہے۔ اسلام دشمن عناصر جہاد بالسیف کو قتل و غارت گری سے تشبیہ دیتے ہیں جو کہ غلط ہے، چونکہ اسلام عالم انسانیت کے لیے امن کا پیغام لے کر آیا تھا لہٰذا وہ طاقتیں جو معاشرے کے کمزور لوگوں کا خون چوس رہی تھیں اور ان کو سودی قرضوں میں جکڑ کر غلام بنا چکی تھیں اسلام کے اس پیغام سے بوکھلا گئیں اور ہر طرح کی مخالفت شروع کر دی جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے، لہٰذا اسلام نے بھی مسلمانوں کو اپنے دفاع کا حق دیا ہے جس کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے. لہذا اسلام نے اس جہاد کو سب سے نچلے درجے پر رکھا ہے۔ امام حسینؑ نے تاریخ اس بات کو رقم کیا کہ امام عالی مقامؑ نے پہلے قلم وزبان سے جہاد کی مگر جب دیکھا کہ اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو آخری حربہ اختیار کیا اور معاشرے کی اصلاح کی خاطر تلوار اٹھائی اور آواز حق کو بلند کر کے معاشرے کو مفسدین کے چنگل سے آزادی دی۔ پس معلوم ہوا کہ جہاد بھی قرآنی معاشرے کی اصلاح میں موثر کردار ادا کرتا ہے۔

۵ ۔اسلامی نظام حکومت/صالح حکومت کا قیام:

اسلامی یا صالح نظام حکومت کا قیام اصلاح معاشرہ کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ جس میں ملک کا پورا نظام اسلامی ہو جس میں افراد اور معاشرہ روحِ دین سے سرشار ہو اور غیر اسلامی نظریات سر نہ اُٹھا سکیں۔ نظام کی تشکیل اس طرح ہو کہ غیر اسلامی نظریات کی بجائے اسلامی تعلیمات کی گرفت مضبوط ہو۔ کیونکہ اسلامی نظام حکومت کے اپنے اہداف نہیں ہوتے۔ اللہ کا دیا ہوا قانون جو خالق فطرت نے انسان کی ذہنی قلبی مادی روحانی انفرادی اور اجتماعی ضروریات اور تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر عطا کیا ہے اس کا اجرو نفاذ اسلامی حکموت کا اصلی اور بنیادی ہدف ہے۔ اسی میں فلاح بشر ہے، کس انسان کی ضرورت کیا ہے اور وہ کس چیز کا حقدار ہے۔ سب سے پہلے عبد و معبود کے باہمی تعلق کو دیکھنا ہے۔ لہذا اسلامی نظام حکومت کے فرائض میں سر فہرست قرآن وسنت کی روشنی میں واجبات کا قیام اور احیا ہے۔ کتاب حکمت کی آیت کی جانب ایک نگاہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ ایک اسلامی حکومت کا اس سے بہتر کوئی منشور نہیں ہو سکتا:

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ[1]

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا رخ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو، بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی اللہ، روز قیامت، فرشتوں، کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور اپنا پسندیدہ مال قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے نیز جب معاہدہ کریں تو اسے پورا کرنے والے ہوں اور تنگدستی اور مصیبت کے وقت اور میدان جنگ میں صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

میرے خیال میں مذکورہ آیہ مبارکہ میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ اس قدر جامع ہیں کہ معاشرہ کے تمام طبقوں اور افراد کے حقوق و فرائض انفرادی اور اجتماعی تمام ذمہ داریاں بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان کی گئی ہیں اگر حاکم اور رعایا اس آیت کو منشور قرار دے کر اسی کی روشنی میں اپنے اعمال کا احتساب کریں تو اسلامی فلاحی مملکت کے قائم رہنے اور کامیاب کامران ہونے میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی کیونکہ ایسی مملکت میں اللہ کی خوشنودی بھی حاصل رہے گی کیونکہ ہر طرف دین الٰہی کا پرچار ہوگا کمزور یا طاقتور ہر ایک کو اس کا حق ملے گا معاشرہ سے برائی کا مکمل خاتمہ ہوگا پورا معاشرہ خیر و برکت سے معمور ہوگا۔

معصوم (ع) نے ہمیں ایسی ہی مملکت کے قیام کی تمنا اور اس کے لیے برابر دعا کرنے کی تلقین ان الفاظ میں کی ہے یہی ہم سب کی ہمیشہ آرزو ہونی چاہیے

---

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۱۷۷

اللھم انا نرغب الیک فی دولته کریمته تعزیه الاسلام و اهله و تنل به التفاق و اهله، وتجعلنا فیها من الدعاء الی طاعتک والقادة الی سبیلک،وتزرقنا فیها کرامته الدنیاوالآخرة-) [1]

اے اللہ ہم تجھ سے ایسی بابرکت مملکت کی آرزو رکھتے ہیں کہ جس میں اسلام اور اہل دونوں باعزت رہیں نفاق اور منافقین ذلیل ہوں، اور تو (مہربانی فرما کر) ہم کو سرکشی سے اپنی اطاعت کی طرف آمادہ کرے، اور تیرے راستے کے رہبر بنادے، اور تو ہمیں دنیاو آخرت دونوں کی عزت و آبرو عطا فرما۔

۶-حدود و تعزیرات کا قیام:

معاشرے کی اصلاح کی خاطر حدود و تعزیرات کا نظام بھی قائم کیا جائے۔ جن کے ذریعے معاشرہ کو ان افراد سے محفوظ کیا جائے جو تعلیمی ترغیبات اور اخلاقی ذرائع سے اصلاح قبول نہ کریں اور معاشرے کے قانون کی خلاف ورزی کریں۔ "اسلامی قانون کی پہلی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ ہر قسم کی قانون شکنی اور خلاف ورزی کے مقابلے میں قابعانہ رویہ اختیار کرے۔ نبی خداؐ نے جب مدینہ کی جانب ہجرت کی تو سب سے پہلے جو کام کیا، وہ اسلامی حکومت کی تشکیل اور قوانین اسلام کی تشریح کا کام تھا، جس کی خلاف ورزی کو گناہ اور قابل مسؤاخذہ سمجھا جاتا تھا۔ آپؐ نے قرآن کے قوانین کو الٰہی حدود قرار دیا اور جو بھی ان حدود سے تجاوز کرتا، اس کے لیے سزائیں مقرر کردی گئیں تھیں" [2]

کتاب حکمت نے خلاف ورزی کرنے والوں کو ظالم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ [3]

یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں سوان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کرتے ہیں پس وہی ظالم ہیں۔

---

[1] Magazine.mohaddis.com

[2] ناصر مکارم شیرازی، مترجم: سید رمیز الحسن موسوی، پیام قرآن، چ: مصباح القرآن ٹرسٹ لاهور، بی تا، ج: ۸، ص: ۲۰۵

[3] سورہ بقرہ، آیت: ۲۲۹

کیونکہ خداوند عالم برائی کو ہر گز پسند نہیں کرتا اور اسلامی معاشرے کو فساد سے عاری دیکھنا چاہتا ہے اسی وجہ سے قرآن کی متعدد آیات میں انسانوں کو ہر طرح کی برائی سے روکا گیا ہے، مرحوم شیخ طبرسی آیہ مبارکہ وَلاَ تُفْسِدُواْ فِي الأَرْضِ [1] کے ذیل میں کہتے ہیں: " زمین میں فساد برپا کرنے سے مراد لوگوں کو نقصان پہنچانا ہے اور بعض لوگوں نے اس سے مومنین کا قتل، گناہ اور ظلم بھی مراد لیا ہے۔ [2] اس لحاظ سے زمین میں فساد پھیلانے سے مراد حد اعتدال سے خارج ہوتا، جیز انتفاع سے نکل جانا، دوسروں کو نقصان پہنچانا، مختصر یہ کہ ہر وہ کام ہے جس سے خدا نے منع فرمایا ہے لہذا گناہ و معصیت علی الاطلاق، زمین میں فساد اور افساد سے عبارت ہے۔ خداوند عالم نے زمین میں فساد کی روک تھام کے لیے قتل نفس، فتنہ انگیزی، چوری، ربا (سود) خواری قطع رحم، زراعت و نسل کی نابودی نیز معاشرے میں ہر طرح کی برائی سے مقابلے کا حکم دیا ہے۔ اور ہر برائی کی روک تھام کے لیے کتاب الٰہی میں قانون درج ہیں اور ان کی قوانین کی پاسداری کرنا ہر فرد معاشرہ پر عائد ہے۔

کیونکہ کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی اس معاشرے کے رہنے والے لوگوں کے رویوں، ماحول اور وہاں کے قانون کی پاسداری سے ہی تشکیل پاتی ہے اگر افراد مل کر اچھا رویہ اختیار کریں اور لوگوں کا آپس میں پیار محبت اور اچھے تعلقات ہوں تو وہ معاشرہ ترقی کی منازل بآسانی طے کرتے ہوئے ترقی کی چوٹی پر نظر آتا ہے اور اگر اس معاشرے کے لوگوں کا رویہ برا ہو گا اور وہاں پر معاشرتی اقدار اور قوانین کی پاسداری نہیں ہو گی تو وہ معاشرہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ ہر معاشرے کے رسم و رواج کے ساتھ ساتھ کچھ ملکی قوانین بھی ہوتے ہیں۔ رسوم و رواج کی پاسداری تو سب ہی کرتے ہیں چاہے وہ دنیا والوں کے دکھاوے کے لیے ہو لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ قوانین کا احترام معاشرے کے ہر فرد کی اوّلین ذمہ داری ہے چاہے فرد کا تعلق حکمران طبقے سے ہو یا عام شہری ہو۔ عدل و انصاف پر مبنی معاشرے میں کوئی بھی فرد یا گروہ قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔ اگر معاشرے میں قانون کی عملداری نہیں ہو گی۔ قانون کا احترام مفقود ہو گا تو ایسا معاشرہ کبھی بھی انسانی قدروں کا حامل نہیں بن سکتا۔ لہذا

---

[1] سورہ اعراف، آیت: ۵۶

[2] شیخ ابی علی الفضل بن الحسن طبرسی، مجمع البیان، ج: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، تا: ۱۴۰۸ھ، ج: ۴، ص: ۶۶۲

حدود و تعزیرات کے نفاذ سے سماجی جرائم کا انسداد ہوگا اور معاشرہ غیر صالح عناصر کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ رہے گا۔

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کہتے ہیں: درحقیقت قانون معاشرے کی رگوں میں خون کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہذا ہمیں صراحت سے کہنا چاہیے کے قانون نہ ہوتا تو کوئی معاشرہ بھی نہ ہوتا۔ پس معاشرہ کے لیے بہترین قانون وہ ہے جو زیادہ سے زیادہ درج ذیل امور کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

1۔ انسانی معاشرے کی تمام پرگندہ قوتوں کو ایک طاقتور مرکز کے زیر سایہ جمع کر سکے۔ اور رنگ و نسل اور لسانی اختلافات جیسی رکاوٹوں کو بر طرف کر سکے۔

۲۔ پوشیدہ صلاحیتوں اور تخلیقی قوتوں کی پرورش کے ذرائع فراہم کرے۔

۳۔ حقیقی معنوں میں آزادی فراہم کرے تاکہ سب لوگ اس کے سائے میں اپنی صلاحیتوں کو نکھار سکیں۔

۴۔ ہر شخص اور ہر طبقے کے حق کو واضح کرے تاکہ باہمی ٹکراؤ اور ایک دوسرے پر تجاوز کی روک تھام ہو سکے۔

۵۔ ایک صحیح اجرائی نظام کی ضمانت فراہم کرتے ہوئے اعتماد اور اطمینان کی فضاء ہموار کرے۔

۶۔ ایک اچھا قانون وہ نہیں کہ جو لمبے چوڑے قوانین کو ایک بڑے عدالتی نظام اور پولیس و قید خانوں کی فراوانی کے ساتھ چلائے کیونکہ یہ قانون اور معاشرے کی ناتوانی کی علامت ہے۔ جبکہ بہترین قانون وہ ہے کہ جو ثقافت، تعلیم اور درست قوانین کے ذریعے، پہلے سے جرائم کی روک تھام کرے تاکہ اس قسم کے مسائل کی ضرورت پیش نہ آئے۔ کیونکہ عدالتی نظام، سزائیں اور قید خانے درحقیقت علاج معالجے یا بیمار کے لیے ایک جراح کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن صحیح قوانین اور مناسب اصول و ضوابط ایک مرکز صحت کی حیثیت سے کم خرچ، قابل قبول اور ہر قسم کی پریشانی اور مشکلات سے خالی ہوتے ہیں۔[1]

۷۔ معاشرے کا اجتماعی شعور بیدار کیا جائے

معاشرے کا اجتماعی شعور بیدار کیا جائے کہ کوئی شخص بھی بگاڑ کی طرف مائل نہ ہو۔ اس کے شعور کی تعمیر و ترقی کے لیے ''ادارہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' مندرجہ ذیل طریق اختیار کر سکتا ہے۔

[1] ناصر مکارم شیرازی، مترجم: سید رمیز الحسن موسوی، پیام قرآن، چ: مصباح القرآن ٹرسٹ لاھور، بی تا، ج: ۸، ص: ۱۹۰

(الف) تعلیم و تبلیغ کے زریعے وہ تمام صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔ جو دورِ حاضر میں نشر واشاعت کے کام میں لائی جاتی ہیں۔ مثلاً اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن مذاکرات وغیرہ کے ذریعہ سے دینی اقدار اور اسلامی طرزِ حیات کی تفہیم کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے، حقیقت یہ ہے کہ دورِ حاضر میں یہ ذرائع عوامی رجحانات کو بدلنے اور نیا رخ دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ معاشرے کے اندر غلط رجحانات کی ترویج میں ان اداروں کا بڑا حصہ ہے۔

(ب) یہ ادارہ معیاری معاشرت کے لیے عمدہ نمونہ اور مثال پیش کرے جس کی نہج پر پورے معاشرے کو ڈھالا جاسکے۔ نبی کریم ﷺ نے جن اصولوں کو بیان کیا تھا، ان اصولوں پر مبنی ایک سوسائٹی مدینہ طیبہ میں تشکیل دی تھی اس معاشرہ کا ہر فرد ان اصولوں کی جیتی جاگتی تصویر تھا۔ لہٰذا اصلاح معاشرہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ نمونے کے چند افراد پر مشتمل ایک ایسی وحدت قائم ہونی چاہیے جس کو سامنے رکھ کر پورے معاشرے کو استوار کیا جاسکے۔

۸۔ عدل وانصاف کا معاشرے میں نفاذ:

خدا نے عدل وانصاف کا حکم دیا ہے۔ انبیاء کی بعثت کا بنیادی ھدف بھی یہی ہے اور معاشرے میں عدل وانصاف کا سب سے بڑا کردار بھی ہے۔ اسی اساس پر خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ آپ عدل وانصاف قائم کریں سورہ شوری میں رسول اللہ کی زبانی ارشاد ہوتا ہے:

وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ [1]

اور کہدیجئے: اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔

آپ کو یہ بھی ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ امت اسلامی کو عدل وانصاف پر عمل کرنے کی دعوت دیں سورہ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ

أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ [2]

---

[1] سورہ شوری، آیت: ۱۵

[2] سورہ مائدہ، آیت: ۸

(ہر حال میں) عدل کرو! یہی تقویٰ کے قریب ترین ہے

درحقیقت قرآن کریم کی نگاہ میں مومن اور ایمانی معاشرے کی پہچان ہی عدل وانصاف ہے نہ ظلم برداشت کرتا ہے اور نہ ظلم کرتا ہے۔ قرآن کا کہنا ہے: لاَ تَظْلِمُونَ وَلاَ تُظْلَمُونَ[1] قرآن کریم ایسے معاشرے کا خواہاں ہے جس میں ہر شخص عدل وانصاف پر عمل کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہو۔ سورہ مائدہ کی میں ارشاد ہو رہا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ [2]

اے ایمان والو! اللہ کے لیے بھرپور قیام کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہاری بے انصافی کا سبب نہ بنے، (ہر حال میں) عدل کرو! یہی تقویٰ کے قریب ترین ہے اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

تفسیر نمونہ میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں آیا ہے "اس آیت میں نفاذ عدل وانصاف کے بارے میں ایک بنیادی اور کلی قانو بیان کیا جارہا ہے یہاں یہ تاکید کی جارہی ہے کہ عدل وانصاف بغیر کسی امتیاز کے تمام لوگوں کے لیے ہونا چاہیے اس آیت میں تمام اھل ایمان کو عدل وانصاف پر عمل کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ حکم یہ ہے کہ بہر حال ہر کام اور ہر عصر وزمانے میں عدل وانصاف پر عمل ہونا چاہیے تاکہ عدل وانصاف پر عمل درآمد کرنا ہماری سرشت میں شامل ہو جائے اور یہ ہماری عادت بن جائے اور اس سے انحراف ہماری طبیعت اور ضمیر کے لیے ناپسندیدہ بن جائے۔ عدالت کے معنی پریشیٔ اور شخص کو اس کے مقام پر رکھنا ہے۔ اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے جس میں حکم و قضاوت رفتار وگفتار اور زندگی کا ہر شعبہ شامل ہے۔[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین

---

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۷۹

[2] سورہ مائدہ، آیت: ۸

[3] محمد بن حسین رضی شریف، مترجم: سید ذیشان حیدر جوادی، نہج البلاغہ، چ: محفظ بک ایجنسی کراچی، تا: اکتوبر ۲۰۱۳ء، چاپ ۶، ص: ۷۸۵، حکمت، ۴۳۷

حضرت علی علیہ السلام مالی اور اقتصادی مسائل اور بیت المال کی تقسیم میں اس باریک بینی سے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے تھے کہ سب کے لیے عام زندگی اور نسبی خوش حالی ممکن ہو سکے اور کسی خاص گروہ کے ہاتھوں دولت وثروت کے انبار نہ لگ جائیں اور قرآن کی اس آیت کا عملی مصداق سامنے آجائے کہ :

لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ[1]

تاکہ وہ مال تمہارے دولت مندوں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے۔

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے منصفانہ اقدامات سے کچھ لوگ ان کے مخالف بن گئے اور ان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے لگے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جانشین نے کبھی بھی مصلحت کی بناپر عدل وانصاف سے عدول نہیں کیا اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عدل وانصاف کا نفاذ آسان کام نہیں ہے۔اس لیے شدید مصائب جھیلنے پڑتے ہیں، نفاذ عدل وانصاف کی سختیوں کو یہ آیۃ مبارکہ بیان کر رہی ہے:

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ[2]

لہٰذا لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش کی پیروی نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر مبنی معاشرے میں ہر انسان کا عادل اور منصف ہونا محض ایک خوبصورت ودلکش نعرہ نہیں ہے بلکہ ایک طویل مدت پروگرام ہے جو چار بنیادوں پر مشتمل ہے: ابینات، ۲کتاب، ۳میزان، ۴حدید[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی رو سے بے بنیاد بہانوں کی بناپر عدل وانصاف سے دستبردار نہیں ہوا جاسکتا۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ:

من ولی عشرا فلم یعدل فیهم جاء یوم القیامة ویداه ورجلاه وراسه فی ثقب فاس

---

[1] سورہ حشر، آیت: ۷

[2] سورہ ص، آیت: ۲۶

[3] حدید ۲۵

کسی شخص کو اگر دس افراد کی سرپرستی سونپی گئی ہو اور وہ ان کے ساتھ عدل وانصاف نہ کر سکے تو قیامت کے دن اسے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں اور سر پر لوہے کا ایک خود پہنا کر جس میں لگام لگی ہو گی لایا جائے گا۔[1]

یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اسلام جس عدل وانصاف کا قائل ہے وہ کوئی حکم تعبدی نہیں ہے بلکہ اسلامی عدالت سے معاشرے میں استقامت استحکام اور ترقی وسلامتی آتی ہے۔الملک یبقی مع الکفر ولایبقی مع الظلم [2]۔کی رسااور معنی دار تعبیر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خطروں اور عدم سلامتی کی بنیادی وجہ بے انصافی اور ظلم ہے۔

علامہ طباطبائی تفسیر میزان میں کہتے ہیں کہ اگر معاشرے میں حق کی پیروی اور عدل وانصاف کا نفاذ ہو جائے تو وہ معاشرہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور مضمحل نہیں ہو سکتا نتیجے میں ایسے معاشرے میں خوش حالی پھیل جاتی ہے اور غربت کا خاتمہ ہو جاتا ہے [3]۔

۹۔ تعلیمی ادارے اور اساتذہ کرام:

استاد علم کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ قوموں کی تعمیر وترقی میں اساتذہ کا کردار اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ تعمیر انسانیت اور علمی ارتقاء میں استاد کے کردار سے کبھی کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔ابتدائے افرینش سے نظام تعلیم میں استاد کو مرکزی مقام حاصل ہے۔اساتذہ کو نئی نسل کی تعمیر وترقی، معاشرے کی فلاح و بہبود، جذبہ انسانیت کی نشوونما اور افراد کی تربیت سازی کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔استاد اپنے شاگردوں کی تربیت میں اس طرح مگن رہتا ہے جیسے ایک باغبان ہر گھڑی اپنے پیڑ پودوں کی نگہداشت میں مصروف رہتا ہے۔تدریس وہ پیشہ ہے جسے صرف اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر مذہب اور معاشرے میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ خداوند عالم علم والوں کی فضیلت اس طرح بیان فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ[1]

---

[1] محمد علی ابن بابویہ، مترجم: سید منیر حسین رضوی، امالی صدوق، چ: ادارہ منہاج الصالحین لاھور، تا: ۲۰۱۳ق، ج: ۲، ص: ۲۶۰

[2] Magazine.mohaddis.com

[3] سید محمد حسین طباطبائی، مترجم: محمد باقر موسوی، تفسیر میزان، چ: فرھنگی رجاء، بی تا، ج: ۵، ص: ۱۰۹

اور وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو اللہ بلند فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔

اساتذہ ہی ہر وقت نسلِ نو کی تربیت کرتا رہتا ہے اور ان کو مختلف علم و فنون پڑھاتا رہتا ہے، ذاتی نمونہ و کردار سے ان کی تربیت کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ تمدن کے تمام شعبوں کو سنبھالنے والے مردانِ کار استاد ہی کی تعلیم و تربیت کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ چاہیے وہ مملکت کی باگ ڈور سنبھالنے والے ہوں یا عدلیہ کو لانے والے، وہ وکیل ہوں یا انجینئر، ڈاکٹر ہوں یا پروفیسر۔ وہ فوج میں ہو یا پولیس میں۔ بہر حال ہر کوئی زندگی کے جس شعبہ میں کام کر رہا ہے وہ اپنے استاد کی تربیت کا عکس ہوتا ہے۔ لہٰذا استاد کا بنیادی فریضہ انسان سازی میں اگرچہ نصابِ تعلیم اور تعلیمی اداروں کی بھی گہرا اثر ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر اس کا اہم ستون استاد ہی ہے وہ پورے نظامِ تعلیم کا مرکز و محور ہے۔ نصاب تعلیم اسی نے پڑھانا ہے اس لیے جس طرح چاہے پڑھائے۔ لہٰذا اگر استاد اپنی اہمیت و ذمہ داری محسوس کرلے اگر اس کو اپنے مقام سے آگہی ہو اگر اس کو احساس ہو کہ وہ اول و آخر مسلمان ہے اور اس نے اسلامی (قرآنی) انقلابی معاشرے کے لیے نسل نو کو تیار کرنا ہے۔ تو ہر قسم کے حالات میں بھی آنے والی نسل نو کی بے پناہ قوتوں کو اسلام کے لیے مسخر کر سکتا ہے۔ بقول شاعر!

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو

معلم اور تعلیمی ادارے: ایک مسلمان معلم اپنے تعلیمی ادارے میں پوری کوشش سے اپنا پورا وزن اسلام کے حق میں ڈالتا ہے۔ یہ کتنی بد نصیبی ہے کہ اسلام دشمن یا اسلام بیزار لوگ ہر موقع پر یکجا ہو جاتے ہیں۔ مگر اسلام پسند لوگ اپنی غیر جانبداری ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اس لیے مسلمان استاد کا فرض ہے کہ اپنے تعلیمی ادارے میں اپنے طلبہ کے درمیان اسلامی قدروں کے نفاذ کے لیے ایک مضبوط ستون بن کر کھڑا ہو جائے۔ وہ بہر حال پہلے اللہ کا بندہ ہے اور پھر گورمنٹ کا ملازم۔ اس موقع پہ کتاب الٰہی کا بیان ہے!

---

[1] سورہ مجادلہ، آیت: ۱۱

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ[1]

اور (یاد رکھو) نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی (کے کاموں) میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرو، اللہ کا عذاب یقیناً بہت سخت ہے۔

کے حکم قرآنی کی تعمیل کرتے ہوئے خیر کے موقع پر سب سے آگے آگے ہو اور اس کی ووٹ لازماً اسلام ہی کے حق میں جائے اور دینداروں کی تقویت کا باعث بنے۔ یہی عصر حاضر میں معلمین کے لیے چیلنج ہیں جن کو بحُسن و خوبی مکمل کر کے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔آج کے دور میں جنگیں میدانِ جنگ میں کم لڑی جاتی ہیں اور فکر و نظریاتی محاذ پر زیادہ تو معلمین ہیں جو قوم کو اعلیٰ قیادت مہیا کرتے ہیں۔ان کو بلند مقصدِ حیات کا شعور دیتے ہیں اور ان کے لیے فکری و نظریاتی جہت مقرر کرتے ہیں۔اس طرح ان کو بامِ عروج پر پہنچاتے ہیں۔لارڈ میکالے کے وضع کردہ نظامِ تعلیم نے مسلمان کو نہ صرف ان کے شاندار ماضی سے بیگانہ کیا آئندہ کے لیے بھی ان کو دین بیزار اور تہذیبِ مغرب کا دلدار بنا دیا۔[2] پھر اس فرنگبت زدہ نظام تعلیم کو نتیجے میں جو قائدین مسلمانوں کو میسر آئے وہ سب اسلام سے دور، اپنے دین سے تفور، اہل مغرب کے مفادات کے پجاری اور ان سے بڑھ کر ان کے وفادار ثناخواں تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بیشتر مسلمان معاشرے جسمانی طور پر آزاد ہونے کے باوجود ذہنی طور پر امریکہ و برطانیہ کے تسلط سے آزاد نہ ہو سکے۔ بلکہ مغرب کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے۔نہ صرف قائدین بلکہ تقریباً تمام جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی مغربی طور اطوار کا دلدادہ بن گیا اور اپنی اقدار و روایات کو رجعت پسند اور دقیانوسی قرار دینے لگا۔مادیت کی ہمارے معاشرے میں ایک دوڑ شروع ہو گئی۔اپنے فرائض سے پہلو تہی اور حقوق کے حصول کے لیے تشدد و تخریب کاری کا عنصر بڑھنے لگا۔یہ تعلیمی ادارے جن کو مادرِ علمی کہا جاتا ہے، جہاں سے علم و حکمت کے اُجالے پھوٹتے تھے، آج یہاں عصبیت پرستی اور کلاشن کوف کلچر کا راج اخلاق اقتدار تباہ ہو رہی ہیں اور تعلیمی

[1] سورہ مائدہ، آیت: ۲

[2] Magazine.mohaddis.com

معیار زوال کی انتہا پر ہے۔آج کوئی حولہ مئوثر نہیں آتا۔دین کے نام پر پکاریئے یا مشرقی تہذیب واقتدار کی دہائی دیجئے۔دلوں میں ندامت کا کوئی احساس نہیں جاگتا۔بزرگوں کے حولے سے بات "جزیشن گیپ"[1] کے مغربی طرز فکر نے غیر مئوثر بنا کر رکھ دی ہے۔اسی کی زد میں آکر خود اساتذہ کی تاقیر اور احترام بھی قصہ پارینہ بن چکا ہے۔اس صورت حال کے پیدا ہونے کے یقیناً بہت سے عوامل ہیں جس میں نوجوان نسل کی اپنی کوتاہی بھی ہے،والدین کی تغافل بھی اور نصاب تعلیم کی خامیاں بھی ہیں مگر قومی زندگی کے ذمہ دار منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے اساتذہ کو بھی اپنا جائزہ ضرور لینا چاہیے کہ اس معاشرتی بحران کے وجود میں آنے میں اساتذہ کی ذمہ داری کہاتک ہے۔اس لیے کہ زندہ قوموں کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ بقولِ اقبال:

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر ہر زماں اپنے عمل کا احتساب

اگر استاد اپنی کوتاہیوں کا تھوڑا سا ادراک بھی کر لیں تو یہ احساس ہی ترقی اور قرآنی معاشرے کی جانب سفر پہلا قدم ہو گا۔مغربی مادہ پرست معاشرہ کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ وہاں ہر چیز کو پیسے کے ترازو میں تولا جاتا ہے۔بد قسمتی سے یہی رجحان ہماری شعبہ تعلیم وتدریس میں بھی گھس آیا۔لہذا معلمین قرآن کو اپنا محور بناتے ہوئے اس طرح تدریس اور تدریسی مدارس کا احیاء کرنا ہے کہ معاشرہ کو مغربی معاشرہ کے رنگ ڈھنگ سے نکال کر اس پر قرآنی معاشرہ کے رنگ ڈھنگ میں ڈھال دیں۔

نتیجہ:

بے شک خداوند عالم کے وعدے کے مطابق قافلہ انسانی،اسلام کی روز افزوں ترقی سے الھی اقدار کی حاکمیت مطلق کی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں فرماتے ہیں۔خداوند کریم نے قرآن میں یہ وعدہ فرمایا ہے۔احوال کائنات میں گہری تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کائنات کا جزء ہونے کی حیثیت سے اپنے ہدف غائی یعنی کمال کی منزل حاصل کر کے رہے گا اور یہ منزل دنیا پر اسلام کی حکمرانی اور اسلام کے ہاتھوں میں انسانی قافلے کی باگ ڈور آنے سے عبارت

---

[1] Magazine.mohaddis.com

ہے[1]۔ آیت اللہ شہید مرتضی مطہری کہتے ہیں! انسانی معاشرے تہذیبیں اور ثقافتیں، یکسانیت متحد الشکل ہونے اور سرانجام ایک ہونے کی طرف آگے بڑھ رہی ہیں انسانی معاشرہ کا مستقبل کمال یافتہ متحد معاشرے کی شکل میں ظہور پذیر ہوگا جس میں انسان کی تمام بالقوہ صلاحیتیں فعلیت کا جامہ پہن لیں گی اور انسان حقیقی کمال و سعادت اور آخر کار حقیقی انسانی منزل پر فائز ہو جائے گا۔[2] ہم نے جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کے پیش نظر تمام اسلامی مذاہب کو چاہیے کہ وہ معاشرہ کی اصلاح کے لیے نور قرآن کی ضیاءاور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی سیرت پر عمل کرتے ہوئے منصوبہ بندی کریں اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مہدی موعود علیہ السلام کی امامت میں عالمی اسلامی معاشرے قائم کرنے کی زمین ہموار کریں۔ انشاءاللہ تعالی۔

[1] سید محمد حسین طباطبائی، مترجم: محمد باقر موسوی، تفسیر میزان، ج: فرہنگی رجاء، بی تا، ج: ۴، ص: ۱۰۰

[2] شہید مرتضی مطہری، مترجم: محاہد حسین حر، تاریخ اور معاشرہ، لاہور، ج: شہید مطہری فاونڈیشن معراج کمپنی لاہور، بی تا، ص: ۳۵۹

منابع:

۱۔قرآن مجید

۲۔القرآن مترجم: سید لاعلی مودودی

http://urdulughat.info-۳

۴۔مطہری، شہید مرتضٰی، مترجم: محاہد حسین حر، تاریخ اور معاشرہ، لاہور، چ: شہید مطہری فاونڈیشن معراج کمپنی لاھور، بی تا،

۵۔الطائی، ڈاکٹر نجاح، مقتل الحسین وانصارہ، چ: دارالھدی الاحیاء التراث، بیروت، تا: ۲۰۱۱م،

۶۔قیام عاشورہ، ۴۵، www.hawzah.net/fa/magazine/view/4892

۷۔ڈاکٹر علی شریعتی، اقبال ایک ثقافتی تناظر نقل از تہذیب، جدیت، بی چ، بی تا

Magazine.mohaddis.com-8

۹۔رضی شریف، محمد بن حسین، مترجم: سید ذیشان حیدر جوادی، نہج البلاغہ، چ: محفظ بک ایجنسی کراچی، تا: اکتوبر ۲۰۱۳ء، چاپ، ۶

۱۰۔تفسیر رازی: ۲۲: ۱۳۵دار الحیاء التراث العربی، بیروت

۱۱۔(صحیح بخاری ۲!۷۸۸۷)

۱۲۔ڈاکٹر محمد عندلیب، مترجم: سید کمیل اصغر زیدی، آداب اسلامی، چ: المصطفیٰ بین الاقوامی مرکز اسلام آباد، تا: ستمبر ۲۰۱۲ء

المختارۃ للضیاء المقدسی ج۵ ص۳۶ ح ۱۶۴۲ واللفظ لہ،

۱۳۔سنن ابی داؤد: ۲۵۰۴

۱۴۔شیرازی، ناصر مکارم، مترجم: سید رمیز الحسن موسوی، پیام قرآن، چ: مصباح القرآن ٹرسٹ لاھور، بی تا،

۱۵۔طبرسی، شیخ ابی علی الفضل بن الحسن، مجمع البیان، چ: دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، تا: ۱۴۰۸ھ،

۱۶۔طباطبائی، سید محمد حسین، مترجم: محمد باقر موسوی، تفسیر میزان، چ: فرھنگی رجاء، بی تا

۱۷۔ابن بابویہ، محمد بن علی، امالی شیخ صدوق، تہران: کتابچی، ۱۳۷۶ش۔

.۱۸۔حر عاملی، محمد بن حسن، وسائل الشیعۃ، قم: مؤسسہ آل بیتؑ، چ: اول، ۱۴۰۹ق، م۔

۱۹۔شیرازی، ناصر مکارم، (مترجم: صفدر حسین نجفی)، تفسیر نمونہ، لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ، ۲۰۱۳ء

۲۰۔کلینی، محمد بن یعقوب، (محقق: محمد غفاری علی اکبر)، الکافی، تہران: دار الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۲۱-مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، (محقق: جمعی از محققان)، بحار الانوار، بیروت: دار احیاء التراث العربی، چ: دوم، ۱۴۰۳ق۔
۲۲-تمیمی آمدی، عبد الواحد بن محمد، (محقق: سید مہدی رجائی)، غرر الحکم ودرر الکلم، قم: دار الکتاب الإسلامی، چ: دوم ۱۴۱۰ق۔
۲۳-حر عاملی، محمد بن حسن، وسائل الشیعۃ، قم: مؤسسہ آل بیتؑ، چ: اول، ۱۴۰۹ق، م۔